فہمِ قرآن اور اتحادِ امت

محمد اسلم اصلاحی

جملہ انسانی تگ و تاز کے پیچھے کچھ مقاصد ہوتے ہیں جن کے حصول کے لیے مناسب وسائل اور ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔ مقصد جتنا جلیل القدر ہو گا اس کے لیے ویسے ہی مہتم بالشان وسیلہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہو گی۔ اس حقیقت کی روشنی میں اگر ہم مفسر قرآن علامہ عبدالمجید الفراہی کے فلسفۂ نظم قرآن کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ بات صاف طور پر نظر آئے گی کہ علامہ موصوف کا قرآن کی آیات و سور کے باہمی ربط و ارتباط پر زور دینے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ ملتِ بیضا کے مختلف دھڑوں کو منظم و مستحکم دیکھنا چاہتے تھے۔ اس عظیم الشان غرض و غایت کے حصول کے لیے ظاہر ہے کہ ایک صاحب ایمان کی نگاہ میں قرآن سے بڑھ کر اور کون سا وسیلہ ہوسکتا ہے خود اللہ تعالیٰ نے جہاں پراگندہ ذہن اور خود سر عربوں کے انتشار و انحلال کا تذکرہ كُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (العران:۱۰۳) کہہ کر کیا ہے وہاں پر فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا کہہ کر ان کے اتحاد و اتفاق کے سلسلے میں قرآن کے غیر معمولی اہمیت کے حامل کردار کو بھی نمایاں کیا ہے اسی اتحاد و اتفاق کی بازیابی کے لیے جب علامہ فراہیؒ نے قرآنی آیات پر تدبر و تفکر کی نگاہ ڈالی اور اس سلسلے میں گزشتہ تفسیری ذخائر کا بغور جائزہ لیا تو انہیں یہ ذخائر "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرھا" کی تفسیر نظر آئے۔ اس کثرت تعبیر کے وجوہ و اسباب کا پتہ لگانے کے لیے انہوں نے جب تمحیص و تحقیق کے میدان میں قدم رکھا تو انہیں یہ اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ آیات بینات کے مفاہیم و مدلولات کی یہ اختلافی تعبیرات بالعموم نظم قرآن سے بے توجہی کا نتیجہ ہیں اور یہ نتیجہ ہیں۔ مفسرین کے اس عدم تفکر کا جسے انہوں نے آیات کے سیاق وسباق نیز ان کے نظم و انضباط کے

تعلق سے روا رکھا ہے اس صورت حال نے ایک طرف جہاں بعض لوگوں کے سامنے قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کی راہیں ہموار کیں وہاں دوسری طرف اس کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ مختلف فرقوں، گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی اسی پس منظر میں نظم قرآن کی قدر و قیمت کو اجاگر کرتے ہوئے، مولانا امین احسن اصلاحی بجا طور پر رقمطراز ہیں:

> ''ہر شخص جانتا ہے کہ اس ملت مسلمہ کی شیرازہ بندی قرآن مجید کی حبل اللہ المتین کے ذریعے ہوئی ہے اور تمام مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ سب مل کر اس رسّی کو مضبوطی سے پکڑیں اور متفرق نہ ہوں۔ اس ہدایت کا یہ فطری تقاضا ہے کہ ہمارے درمیان جتنے بھی اختلاف پیدا ہوں ہم ان کے فیصلے کے لیے رجوع قرآن کی طرف کریں لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ خود قرآن کے بارے میں ہماری راہیں متفق نہیں ہیں۔ ایک ایک آیت کی تاویل میں نہ جانے کتنے اقوال ہیں اور ان اقوال میں سے اکثر ایک دوسرے سے متناقض ہیں لیکن کوئی چیز ہمارے پاس ایسی نہیں ہے جو یہ فیصلہ کر سکے کہ ان اقوال میں سے کون سا قول حق ہے، کسی کلام کی تاویل میں اختلاف واقع ہو تو اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے سب سے زیادہ اطمینان بخش چیز اس کا سیاق وسباق اور نظام ہی ہو سکتا ہے''۔ (۱)

اسی وجہ سے قرآن کی متعدد آیات میں ہمیں واضح طور پر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ہم اپنے اختلافی امور میں، خواہ ان کا تعلق معاشرت سے ہو یا معیشت سے، عبادت سے ہو یا سیاست سے، قرآن کی طرف رجوع کریں۔(۲) لیکن اگر آیات کی تفہیم میں ہی اختلاف پایا جاتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے یہ مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ فراہی کو اس مسئلے کی سنگینی کا احساس اس وقت شدت سے ہوا جب علی گڑھ کالج میں قیام کے دوران ان کی نظر سے سرسید احمد خان کی تفسیر کے بعض ایسے اجزاء گزرے جن کے بارے میں انہیں اندازہ ہوا کہ وہ من مانی تاویلات کے حامل ہیں۔(۳) علامہ نے ان من مانی تاویلات کے رد میں ہر چند کہ کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن وہ اسی زمانے سے ان اسباب وعلل پر غور وخوض کرنے لگے جن کی اساس پر اس طرح کی من مانی تاویلات شعوری اور بیشتر حالات میں غیر شعوری طور پر راہ پا جاتی ہیں۔ امرِ واقعہ خواہ کچھ بھی ہو، ان میں من مانی تاویلات کے اثرات ہماری عملی زندگی میں کتنی خطرناک صورتوں میں ظاہر ہوئے ہیں اس کا اندازہ ان اہل علم کو بخوبی ہے جنہیں مسلمانوں کی تاریخ سے معمولی سی بھی واقفیت ہے۔

ان من مانی تاویلات کے سدِ باب کے لیے علامہ نے قرآن حکیم کی آیات پر تدبر وتفحص کیا تو وہ بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار وافتراق کی ایک بہت بڑی وجہ نظم قرآن کی طرف عدم التفات ہے۔ ایک ایسا نظم جو اس امر کی انتہائی کم گنجائش رکھتا ہے کہ قرآنی آیات کو مختلف معانی اور مختلف

احتمالات کا مظہر بنا دیا جائے۔ (۴) نظم قرآن کا یہی وہ پہلو تھا جس کو علامہ نے ملت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کے لیے ایک نسخہ کیمیا قرار دیا اور جس پر وہ زندگی بھر غور و خوض کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی قیمتی تحریروں کے ذریعہ دوسروں کو بھی اس پر تفکر و تدبر کی دعوت دیتے رہے ان کی اس طرح کی کوششوں کا ماحصل یہ تھا کہ قرآن کا مطالعہ ہر طرح کے ذہنی تحفظات اور گروہی میلانات سے پاک صاف ہو کر کیا جائے اور اسے ایک ایسا کلام سمجھا جائے جو اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے انتہائی منظم اور مربوط ہے اور اپنے اسلوب نیز طرز بیان کے لحاظ سے انتہائی منظم و مرتب ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھے بغیر امت مسلمہ کی شیرازہ بندی کس طرح ممکن ہو سکے گی اور کس طرح وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَاتَفَرَّقُوْا (العران:۱۰۳) پر عمل کیا جا سکے گا۔

آیات بینات کے سیاق وسباق سے ان کے حقیقی مفاہیم کے تعین کی کوششیں ہماری تاریخ کے تقریباً ہر دور میں ہوتی رہی ہیں۔ بنابریں ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام اور علماء عظام نے انتشار و بحران کے زمانہ میں خواہ وہ بحران سیاسی ہو یا علمی فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰه (الداریات:۵۰) پر عمل کرتے ہوئے قرآن کو حرز جان بنایا ہے اور اسی کے ذریعہ ہی افراد امت کو سلک اتحاد و اتفاق میں پرونے کی کوشش کی ہے۔ قرآن کا اس ضمن میں خود یہ ارشاد ہے کہ

وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْه۔ (البقرہ:۲۱۳)

اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

بعد کے ادوار میں بھی جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ مسلمانوں کو پیش آیا جس سے ان کی صفوں کے اندر سیاسی، اجتماعی یا فکری انتشار کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو ارباب عقل و ایقان نے بدون تاخیر اللہ تعالیٰ کے اس حکم

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰه۔ (النساء:۵۹)

پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس کو رجوع کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف۔

پر عمل کرتے ہوئے قرآن کی طرف رجوع کیا اور کامیابی کے ساتھ پیش آمدہ فتنہ سامانیوں کا قلع قمع کر دیا۔ عہد فاروقی میں سواد عراق کے مفتوحہ علاقوں کی ملکیت کے بارے میں جب صحابہ کرام کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو ایسے اہم اور نازک مسئلے میں جس کے اثرات انتہائی دور رس ہو سکتے تھے قرآن کی صرف ایک آیت (سورۃ الحشر:۶۔۱۰) قول فصیل ثابت ہوئی۔ ہماری تاریخ کے اوراق بے شمار ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جن میں مسلمان قرآن حکیم کی بدولت دشمنوں کے طعنوں نیز اسلام مخالف قوتوں کی ریشہ دوانیوں کے باوجود ہر طرح کے سیاسی، فکری، معاشرتی اور اخلاقی انتشار سے محفوظ رہے ہیں۔

عہد عباسی کے دوران جب دنیا کی مختلف زبانوں کے علوم وفنون نیز فکر و فلسفہ کو عربی زبان کے قالب

میں ڈھالا گیا تو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ذہنی انتشار کا شکار ہو گیا افکار و خیالات کے ایسے بحرانی دور میں مسلمان مفکروں، مدبروں، اور دانشوروں نے قرآن کی العروۃ الوثقیٰ کو مضبوطی ے تھامے رکھا اور انجام کار ان کے عقائد و افکار پر یونانی منطق و فلسفہ اثر انداز نہ ہو سکے۔ اس ضمن میں مفسر قرآ امام فخر الدین رازی کا درج ذیل قول انتہائی معنویت کا حامل ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

لقد اختبرت الطرق الکلامیة والمناهج الفلسفیة فلم اجدها تروی
غلیلا ولا تشفی علیلا ورأیت اقرب الطرق طریقة القرآن۔(۵)

میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ مناہج کو آزمایا لیکن ان سے تو کسی پیاسے کی پیاس بجھتی ہے اور نہ کسی مریض کو شفا ملتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ قریب ترین طریقہ قرآن کریم کا ہے۔

رازی کے مذکورہ الفاظ سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ قرآن کا راستہ انتہائی قریبی اور سہل ہے لیکن بظاہر اس سہل راستہ کو طے کرنے کے لیے جس دقت نظر، جگر سوزی اور جانکاہی کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے موہوبہ صلاحیتوں کے حامل کچھ مخصوص افراد ہوتے ہیں۔

هر هو سنا کے نه داند جام وسندان باختن

کیونکہ یہ وہ امامت ہے جس سے زیر بار ہونے کے لیے آسمانوں، زمینوں حتٰی کہ پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا۔ (الاحزاب:۷۲) اور اگر اس سے پہاڑوں کو زیر بار کر بھی دیا جاتا تو وہ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ (الحشر:۲۱) بہر حال اللہ تعالیٰ نے اگر انسانوں کو اس کا مکلف بنایا ہے تو ساتھ ہی ساتھ اپنے برگزیدہ بندوں کو اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی ہے۔ اس توفیقِ خداوندی کا تقاضا ہے کہ یہ برگزیدہ بندے قرآن کے مفاہیم و مطالب کے سمندر میں غواصی کریں اور تلاش کریں ان مضامین و عناوین کو جو ہماری فکری، سیاسی اور معاشرتی زندگیوں کو اتحاد و اتفاق کے دھاگوں میں پرو دیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک ہمارے افکار و نظریات میں انضباط و اتفاق کی کیفیت پیدا نہیں ہو گی اس وقت تک ہماری سوچ کا رُخ صحیح نہیں ہو گا اسی فکری انتشار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا:

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد (۶)

اس فکری انتشار سے بچنے نیز ذہنی اتحاد کی فضا قائم کرنے کے لیے ہمارے پاس ہمارے نبیؐ پر نازل شدہ نسخۂ کیمیا یعنی قرآن مجید ہے۔ وہ قرآن مجید جس کی منجملہ صفات میں سے ایک صفت اللہ تعالیٰ نے ''غیر ذی عوج'' بتلائی ہے۔ علامہ زرقانی نے اس غیر ذی عوج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلوب قرآن کا ایک بنیادی وصف ترصیع و انسجام ہے۔

اپنے اس خیال کا اظہار علامہ نے درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

فاذا هو وحدة متما سكة متآلفة على حين انه كثرة متنوعة متخالفة فبين كلمات الجملة الواحدة من التآخرو التناسق ما جعلها رائعة التجانس والتجاذب و بين جمل السورالواحدة من التشابك والترابط ماجعلها وحدة صغيرة متآخذة الاجزاء متعانقة الأيات و بين سورا لقرآن من التناسب ما جعله كتاب سوى الخلق حسن السمت.....فكانما هو سبيكة واحدة تأخذ بالابصار وتعلب بالعقول والافكار۔(۷)

قرآنی اسلوب کی اس خصوصیت کا کم و بیش سبھی مفسرین نے ذکر کیا ہے اور اس خصوصیت کو قرآن کی معجز نمائی کی ایک بڑی دلیل قرار دیا ہے خود قرآن نے اپنی اس خصوصیت کا اظہار مختلف پیرایوں میں کیا ہے اور لوگوں پر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس کی آیات کو بڑے شرح و بسط اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک ایسی تفصیل جس میں نا ہمواری اور شتر گربگی نہیں ہے اور جس میں دو راز کار تشبیہات و استعارات کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور جس میں لفظوں کو آبگینوں کی مانند صفحۂ قرطاس پر جما دیا گیا ہے، حقائق کائنات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ہر جملہ نہاں خانۂ دل میں اترتا چلا جاتا ہے بایں ہمہ وجوہ کوئی بھی انسان قرآن کے فصیح و بلیغ اسلوب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کتاب مبین کی بعض ایسی ہی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے محمد اسد لکھتے ہیں:

The Quran has organic unity. Noverse can be isolated from the preceding or the following verse.

(قرآن کے اندر ایک ساختیاتی وحدت ہے۔ چنانچہ اس کی کوئی آیت ماسبق یا ما بعد سے الگ نہیں ہے۔) (۸)

آیتوں اور عبارتوں کے اس حسن تنسیق کے اعتراف کے باوجود مفسرین کی ایک بڑی تعداد قرآن کی تقریباً ہر ایک آیت کے حوالے سے بہت سے اقوال نقل کرتی آئی ہے۔ انجام کار ایک ہی آیت کے ضمن میں کبھی کبھی اتنے اقوال جمع ہو جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا نہ صرف مشکل ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات ان کا پڑھنے والا یا تو ان کی صحت کے بارے میں تردد میں مبتلا ہو جاتا ہے یا پھر یہ سمجھنے پر خود کو مجبور پاتا ہے کہ کتب تفسیر کی روشنی میں قرآن کے مطالب و معانی پر غور کرنے کا حاصل مزید الجھنوں اور پیچیدگیوں کو دعوت دینا ہے۔ قرآنی ہدایات و ارشادات کے حوالہ سے لوگوں کی یہ حیرانگی اور سرگشتگی ہر دور کے عالموں کے سامنے ایک سوالیہ نشان بنی رہی اور انہوں نے حتی المقدور اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی تاہم ان کی کوششیں بیشتر حالات میں مزید ایک قول کے اضافے کی صورت میں ظاہر ہوئیں اس صورت حال کی بنیادی وجہ علامہ فراہی کے نزدیک

آیات کے سیاق و سباق پر تفکر و تدبر کی کمی ہے بالفاظِ دیگر اگر ہم کسی آیت کے حوالہ سے مختلف اقوال و آراء کو جمع کرنے کے بجائے خود قرآن کے ذریعہ ہی اس کے کسی متعین مفہوم و معنی تک پہنچنے کی کوشش کرتے نیز مختلف مماثل آیات کے تناظر میں اس کا جائزہ لیتے تو ہمارے لیے قرآن کے حقیقی مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہوتی۔ اس ضمن میں علامہ فراہی نے اپنے تجربات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

''میں نے اپنی کتاب میں صرف وہی اقوال نقل کیے ہیں جو میری تحقیق پر صحیح اترتے ہیں اور یہی ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے، اقوال کی کثرت عموماً لوگوں کو بالکل حیران و درماندہ کر دیتی ہے، بسا اوقات لوگ مجرد اقوال نقل کر دیتے ہیں ان کے دلائل بیان نہیں کرتے، یہ ان اقوال کے کہنے والوں اور سننے والوں دونوں پر نہایت کھلا ہوا ظلم ہے۔ میں نے آیات کے معنی تفسیر کی کتابوں سے نہیں لیے ہیں بلکہ خود آیات میں ان کے سیاق و سباق اور مماثل کی روشنی میں غور و فکر کیا ہے''۔

(۹)

سیاق و سباق نیز نظم کلام کے ذریعہ کسی متعین اور حتمی مفہوم و معنیٰ تک پہنچنے کا راستہ علامہ فراہی نے صرف اس لیے اپنایا تا کہ وہ ایک طرف خود بھی حیرانگی و انتشار سے بچیں اور دوسری طرف اوروں کو بھی تذبذب نیز پراگندہ فکری سے نجات دلائیں۔ اس طرح کی کوششوں میں احادیث صحیحہ کے ساتھ ساتھ جس چیز سے بہت زیادہ مدد ملتی ہے وہ زمانہ جاہلیت کا ادبی و شعری ذخیرہ ہے۔ وہ ادبی و شعری ذخیرہ جس سے عرب قوم نزول قرآن کے وقت واقف تھی اور جو اس کے لیے سرمایۂ افتخار تھا اور جو ایسے بے شمار کلمات نیز تشبیہات و استعارات کا حامل ہے جن کا استعمال کتابِ الٰہی میں جا بجا ہوا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا ذکر بے محل نہیں کہ کسی لفظ کے کسی خاص مفہوم کے تعین سے قبل ہم پر لازم ہے کہ اس کے سیاق و سباق نیز اس کے مختلف مقامات استعمال کو دھیان میں رکھیں۔ ظاہر ہے کہ اس حقیقت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہمیں تقریباً ان تمام مقامات و محلات کی سیر کرنی ہو گی جہاں جہاں اس لفظ کو کسی شاعر یا ادیب نے استعمال کیا ہو یہ ایک انتہائی دیدہ ریزی اور جانکاہی کا عمل ہے۔ لیکن اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اختلاف و انتشار کو انسانی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور جو اتحاد و اتفاق کے لیے اپنی جملہ صلاحیتوں کو وقف رکھتے ہیں۔

علامہ فراہی نے ملت کے دیگر بیدار مغز دانشوروں کی طرح مسلمانوں بالعموم مسلمان علماء کے درمیان پائے جانے والے اختلاف و انتشار کو ختم کرنے کی غرض سے عربوں کے قدیم ادبی ذخائر کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اور پھر اس مطالعہ کی روشنی میں قرآن کے متعدد کلمات نیز تراکیب کو ان کے صحیح تاریخی اور ادبی تناظر میں سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی۔ ان کی اس طرح کی کوشش کا سب سے بڑا ثبوت ان کی تالیف ''مفردات

القرآن'' ہے جس میں انہوں نے ستر سے زائد کلمات کی تشریح و توضیح قدیم عربی ادب کے آئینے میں اس انداز سے کی ہے کہ قرآن میں ایسے کلمات جہاں جہاں استعمال ہوئے ہیں ان کا مفہوم و مدلول قریب قریب متعین ہو گیا ہے اور اس طرح ان کلمات کے تعلق سے اختلاف آراء کی گنجائش محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اس طرح کی کوشش کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کلمات کے سلسلے میں علمائے مفسرین کے درمیان جو اختلاف پائے جاتے ہیں اور ان اختلافات کے نتیجے میں ان کے مابین جو بُعد اور دوری پائی جاتی ہے اس کو ختم کر کے اتحاد و اتفاق کی راہیں ہموار کی جائیں ہم میں سے کون اس حقیقت کا منکر ہو سکتا ہے کہ کلمات کے مفاہیم و معانی کے صحیح تعین کا اثر ہماری زندگیوں یا ہمارے اعمال پر نہیں پڑے گا۔ علامہ فراہی کو اس حقیقت کا اندازہ بخوبی تھا اور کیوں نہ ہوتا جب ہم سب کے سامنے خدا کے رسولؐ کا یہ انداز موجود ہے جس میں انہوں نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

انما هلك من كان قبلكم باختلافهم فی الكتاب۔(۱۰)

تم سے پہلے کے لوگ کتابِ الٰہی میں اختلاف کے باعث ہلاک ہوئے۔

گویا کتاب یعنی کتاب الٰہی کے مفاہیم و مطالب کا اختلاف و نزاع قوموں کی تباہی و بربادی کا سبب ہے لہذا اس کو معمولی سمجھنا یا اس کو دیگر امور کے مقابلہ میں کم اہمیت دینا ہم سب کے لیے انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہے۔ بنا برین ہم پر لازم ہے کہ ہم ایسے تمام وسائل و ذرائع کی تلاش جاری رکھیں جن کو بروئے کار لا کر ہم ''اختلاف فی الکتاب'' جیسی ہلاکت خیز صورت حال سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ علامہ فراہی کی جملہ تفسیری خدمات میرے نزدیک اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ جیسا کہ ''مقدمہ تفسیر'' میں وہ اپنے طریقہ تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

> ''پہلے ایک آیت کی تاویل اس کی دوسری آیات سے کرتا ہوں اس کے بعد تبعًا اس سے متعلق صحیح احادیث کا ذکر کرتا ہوں تا کہ نہ ان منکرین کو کسی اعتراض کا موقع ملے جنہوں نے قرآن کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے اور نہ وہ ملحدین کوئی اعتراض اٹھا سکیں جو ہمارے سر ایسی چیزیں تھوپتے ہیں جن کی قرآن میں کوئی اصل نہیں ہے، مقصود یہ ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان ایک حجت قاطع اور ایک مرکز جامع کی حیثیت سے کام دے سکے''۔ (۱۱)

کسی صاحب ایمان و ایقان کو کیا اس بات میں شمہ برابر بھی شک ہو سکتا ہے کہ قرآنِ مجید مسلمانوں کے جملہ نزاعی معاملات میں قول فیصل کا حکم رکھتا ہے؟۔ خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سلسلے میں یہ خاص اہمیت دی ہے کہ وہ اپنے اختلافی امور میں اللہ یعنی اس کی کتاب کی طرف رجوع کریں اور اس کی روشنی میں وہ جس فیصلے تک پہنچیں اس پر صدقِ دل کے ساتھ بغیر چون و چرا عمل کریں۔ درج ذیل آیات میں اسی حقیقت کی طرف

اشارہ کیا گیا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔

(احزاب:۳۶)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لیے روا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دیدیں کہ (پھر) ان کو اس کام میں کوئی اختیار (باقی) رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔

ممکن ہے کہ کوئی صاحب اس آیت کے کسی خاص شان نزول کا ذکر کرکے اس کی افادیت و معنویت اور فاعلیت کو کسی خاص زمانہ کی حدود میں مقید کر دیں۔ لیکن میرے نزدیک اس آیت کریمہ کا حکم عام اور ہر زمانے کے لیے ہے اور اس کی پابندی ہر ایک کلمہ گو کو اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک کرنی ہے۔ مسلمان ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم فرمانِ الٰہی کے لفظ لفظ پر نہ صرف ایمان و اعتقاد رکھیں بلکہ اپنی عملی زندگی پر بھی صدق دل کے ساتھ انطباق کریں۔ اس وضاحت کی روشنی میں ہمارا یہ یقین ہونا چاہیے کہ کوئی بھی صاحبِ ایمان احکام الٰہی نیز فرموداتِ رسولؐ سے کسی طور پر بھی پہلو تہی نہیں کرے گا۔ بنابریں علامہ فراہی کا قرآن کو حجت قاطع اور مرکز جامع قرار دینا منطقی اور لابدی تھا کیونکہ عامۃ المسلمین نیز ان کے مختلف فرقوں کو اتحاد و اتفاق کی دعوت اگر کسی راستے سے موثر طور پر دی جا سکتی ہے تو وہ قرآن کا راستہ ہے وہ اس لیے کہ خرابیٔ بسیار کے باوجود آج بھی مسلمانوں کی کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جس کا ایمان کتابِ الٰہی پر نہ ہو اور جو قرآنی تعلیمات و ہدایات کو اصولی طور پر اپنی روز مرہ زندگی کے دیگر قوانین وضوابط پر فوقیت نہ دیتی ہو۔

تاہم مسلمانوں کا اس مرکز جامع اور برہان قاطع سے انتفاع و استفادہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم (جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے) خود قرآنی آیات کی تفہیم و توضیح میں اختلاف آراء کا شکار نہ ہوں اور اگر کبھی کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اول اول ہم اس آیت کے حقیقی مفہوم و منشا کو اس کے سیاق وسباق کی روشنی میں متعین کرنے کی کوشش کریں اور اس طرح اگر کامیابی نہ ملے تو خود قرآن میں ان مقامات کو تلاش کریں جہاں اس آیت کے مضمون کو کسی دوسرے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ قرآن فہمی کے سلسلے میں بہت سے مفسرین عظام کا یہی طریقہ رہا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ طریقہ زیادہ منطقی اور قرین قیاس ہے۔ قرآن کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس امر کی گواہی دے گا کہ مقدس کتابِ الٰہی میں اگر کہیں کسی بات یا واقعہ کا ذکر اجمالی طور پر آتا ہے تو دوسری جگہ اسی بات یا واقعہ کو بقدرِ ضرورت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس ایجاز و اطناب نیز تفصیل و اختصار کا مقصد بظاہر تکرار نظر آتا ہے لیکن ذرا سا غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات یا واقعہ کا اعادہ و تکرار مخصوص موقع ومحل کی مناسبت سے کسی خاص مفہوم کا حامل ہے اور ان سے کسی

واقعہ کا کوئی ایسا خاص پہلو مراد ہے جس کا تعین صرف کلام کے سیاق وسباق کی روشنی میں ہی کیا جا سکتا ہے قرآن فہمی کے اس بنیادی نکتہ کی وضاحت عصر حاضر کے ایک مفسر قرآن نے اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں ان الفاظ میں کی ہے:

> ''میرا ذاتی تجربہ اور مدتوں کا تجربہ تو یہ ہے کہ ایک ہی لفظ ایک ہی آیت میں بالکل مبہم نظر آتا ہے، دوسری آیت میں وہ بالکل بے نقاب ہو جاتا ہے اسی طرح ایک جگہ ایک بات کی دلیل سمجھ میں نہیں آتی لیکن دوسری جگہ وہ بالکل آفتاب کی طرح روشن ہو جاتی ہے..... میں بطورِ اظہارِ نعمت کے یہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر قرآن کی مشکلات جتنی خود قرآن سے واضح ہوئی ہیں دوسری کسی بھی چیز سے واضح نہیں ہوئی ہیں''۔ (۱۲)

قرآنی آیات اگر یونہی اپنے مفہوم ومعنی کے اعتبار سے آفتاب کی طرح روشن ہو جائیں تو اعتقادی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کے باب میں مختلف اقوال و آراء کی گنجائش بڑی حد تک ختم ہو جائے گی اور اس کا اثر ہماری عملی زندگی میں اتحاد و اتفاق کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ اس ضمن میں شاید کوئی اس سچائی کا منکر ہو گا کہ ہمارے باہمی تنازعات کی خشتِ اول بالعموم ہمارے ذہنوں میں ہی رکھی جاتی ہے اور اسی خشتِ اول پر بحث و مباحثہ نیز جنگ و جدال کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے بالفاظِ دیگر ہماری فکر اور ہمارے ذہن سے ہی ہر طرح کے انتشار و افتراق کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اب اگر اس سوتے کو ہی بند کر دیا جائے تو اتحاد و اتفاق کی راہیں از خود ہموار ہوتی چلی جائیں گی۔ اس سلسلے میں نظم قرآن کی فکر کس قدر ممد و معاون ثابت ہو گی اس کا اندازہ نظم قرآن کے حوالہ سے ہماری گزشتہ وضاحتوں سے بخوبی ہوتا ہے۔

حواشی

۱۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن۔ فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۵ء، جلد اول ص ۲۱۔۲۲ (مقدمہ)

۲۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں: الشوریٰ: ۱۰

۳۔ محمد عنایت اللہ سبحانی اصلاحی۔ علامہ حمید الدین فراہی، پہلی بار۔ مکتبہ الاصلاح، سرائے میر۔ اعظم گڑھ نومبر ۱۹۷۸ء۔ ص ۱۵

۴۔ زمین کیا آسمان بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے — غضب ہے سطر قرآن کو چلیپا کر دیا تو نے

یہ شعر بانگِ درا کی نظم بعنوان ''تصویر درد'' میں ہے۔

یہی چیز ایک دوسری جگہ علامہ کے یہاں اس انداز میں ہے:

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر — تاویل سے قرآن کو بنا دیتے ہیں پازند

۵۔ عماد الدین ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ۔ مطبوعہ السعادہ، مصر (بدون تاریخ) ج ۱۳ ص ۵۶

۶۔ علامہ اقبال، ضرب کلیم۔ طارق برقی پریس حیدر آباد دکن (بدون تاریخ) ص ۳

۷۔ محمد عبدالعظیم الزرقانی۔ مناہل العرفان فی علوم القرآن۔ الطبعۃ الثالثہ۔ داراحیاء الکتاب العربیہ ۱۹۵۳ء ج ۲ ص ۲۱۲۔

۸۔ بحوالہ مسلم ورلڈ لیگ (جرنل) ج ۱۹، ۱۹۹۱ء ص ۲۹۔

۹۔ حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن (ترجمہ از امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر۔ اعظم گڑھ۔ ۱۹۹۰: ج ۳ ص ۴۷۔

۱۰۔ الجامع الصغیر ج ۳ ص ۵۔

۱۱۔ تفسیر نظام القرآن ص ۳۶۔

۱۲۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن۔ فاران فاؤنڈیشن لاہور جلد اول ص ۴۸ (مقدمہ)

☆☆☆☆☆

گھی کے بغیر کھانا

ایک اعرابی خلیفہ کے دستر خوان پر حاضر ہوا۔ کھانا لایا گیا۔ خلیفہ نے اسے بھی کھانے میں شامل کرلیا۔ جو کھانا خلیفہ کے سامنے تھا اس میں بہت زیادہ گھی تھا۔ اور جو کھانا اعرابی کے سامنے تھا وہ خشک تھا۔ اعرابی نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی تا کہ گھی اس کی طرف آجائے۔ خلیفہ نے یہ آیت پڑھی **احترقتھا لتغرق اھلھا** (کہف۔۷۱) کیا تم کشتی میں سوراخ کرتے ہو تا کہ اس کے سواروں کو غرق کرو۔

اعرابی نے یہ آیت پڑھی **فسقناہ الی بلد میت** (فاطر۔۹) ہم نے پانی بھرے بادل مردہ زمین کی طرف بھیجے تا کہ وہ مردہ زمین کو زندہ کریں۔